تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحدِ زید مجدہم
مُدرِّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

باب اوّل۔ جَمعُ القرآن بینَ الدَّفتین

قرآن کا مدار ہمیشہ سے ضبط و حفظ پر ہے۔ مگر صحابہ کرام رضؓ کی ایک جماعت حضور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں حضورؐ کے حکم اور ہدایت کے مطابق اس کو لکھتی بھی رہتی تھی۔ بروقت نزول اُن میں سے جو لوگ حاضر ہوتے تھے وہ لکھ لیتے تھے۔ کیونکہ قرآن ۲۳ سال کے عرصہ میں تدریجًا نازل ہوا تھا۔ اس طرح حضورؐ کی حیاتِ مُبارک میں لکھا جاچکا تھا مگر ایک جگہ جمع نہ تھا اور صحابہ رضؓ کرام کا اصل اعتماد حضورؐ کی تعلیم اور ضبط پر تھا۔ اور اُن میں سے بعض کو تمام اور بعض کو نصف۔ بعض کو ربع اور بعض کو اس سے کم یا زیادہ یاد تھا۔ اور ایسا کوئی نہ تھا جس کو چند سورتیں یاد نہ ہوں۔

بعہد حضرت ابوبکر صدّیق (۱۱ھ میں) یمامہ کی لڑائی ہوئی اس میں پانچ سو سے زیادہ قرار، قرآن شہید ہوگئے۔ اس سے حضرت عمر رضؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں صحابہ رضؓ کرام کی وفات سے قرآن معدوم نہ ہوجائے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضؓ سے درخواست کی کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرائیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے پہلے انکار کیا اور کہا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا میں اُس کو کیسے کروں۔ مگر پھر پے درپے توجہ دلانے سے آمادہ ہوگئے اور حضرت زید رضؓ بن ثابت انصاری کو اس خدمت پر مامور کیا۔ حضرت زید رضؓ کہتے ہیں: "اگر مجھے پہاڑ کے اُٹھانے کا حکم دیا جاتا تو اس سے آسان ہوتا۔" حضرت زید رضؓ نے باوجود حافظ ہونے کے ایک ایک آیت صحابہ رضؓ

کرام کی گواہی سے لکھی اور تمام قرآن کو جمع کر دیا، مگر وہ متفرق صحیفے تھے جو تاحیات حضرت ابوبکرؓ کے اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے اور آپ کی شہادت کے بعد اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کے قبضہ میں آئے۔

۳۰ھ میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان آرمینیہ و آذربائیجان کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ مُسلمان قرآن کی ترتیب وغیرہ کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی قرأت کو دوسرے کی قرأت سے بہتر کہتا ہے اس سے جناب موصوف کو بے حد رنج ہُوا اور آپ نے مدینہ میں حاضر ہو کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ "اے امیر المؤمنین قرآن کے متعلق اُمّتِ محمدیؐ کا تفرقہ مٹائیے اور اس سے قبل کہ اُن میں یہود و نصاریٰ کے مانند اختلاف ہو اُن کی دست گیری کیجیے"۔ حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفے حضرت حفصہؓ سے منگا کر حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری موصوف حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن الحارث بن ہشام۔ اور حضرت سعیدؓ[1] بن العاص قریشین کو اُن کی نقلیں کرنے پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر کسی بات میں حضرت زیدؓ اور باقی حضرات کے درمیان اختلاف ہو تو اُس کو لغت قریش میں لکھیں کیونکہ قرآن لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔

جب باجماع صحابہؓ کرام آٹھ[2] نقلیں تیار ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے ایک ایک نسخہ مکّہ معظّمہ بصرہ، دمشق، کوفہ، یمن اور بحرین میں بھیج دیا اور ایک مدینہ منوّرہ میں اور ایک خاص اپنے لیے رکھ لیا۔ (اُسی کا نام امام ہے اور اسی پر بروقت شہادت آپ کا خُون گرا تھا۔ محقق ابن جزری رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں اُس کو قاہرہ[3] میں دیکھا تھا اُس وقت تک اُس پر خُون کے نشانات تھے) انہیں قرآنوں کو مصاحف عثمانیہؓ کہتے ہیں اجماع منعقد ہو گیا تھا کہ جو کچھ اِن مصاحف میں نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے۔

محقق ابن جزری رحمہ اللہ النشر میں فرماتے ہیں۔

---

[1] بعض روایات میں حضرت سعیدؓ کے بدلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص اور حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کے نام ہیں یہ دونوں حضرات حضرت زید کے شاگرد اور اُس وقت جوان تھے ممکن ہے کہ اُن کو بھی بعد میں شریک و مددگار بنایا گیا ہو۔ ۱۲

[2] اکثر اہلِ نقل چار نسخے بتاتے ہیں اور علّامہ دانی نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور بعض نے سات بتائے ہیں۔

[3] سُنا ہے کہ اب یہ مصحف قسطنطنیہ میں ہے۔

فکتبت المصاحف علی اللفظ الذی استقر علیہ فی العرضۃ الاخیرۃ عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کما صرح بہ غیر واحد من ائمۃ السلف کمحمد بن سیرین و عبیدۃ السلمانی و عامر الشعبی۔ قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لو ولیت فی المصاحف ما ولی عثمان لفعلت کما فعل ص ۸ ج ۱

مصاحف اس لفظ پر لکھے گئے جس پر عرضۂ اخیرہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو برقرار رکھا گیا تھا۔ (یعنی جو عرضۂ اخیرہ میں منسوخ نہیں ہوئے تھے) بہت سے ائمہ سلف مثلاً محمد بن سیرین، عبیدہ سلمانی اور عامر شعبی رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ "مصاحف کے بارے میں جو کچھ عثمان نے کیا اگر مجھے موقع ملتا تو وہی میں کرتا۔"

محقق ابن جزری رحمہ اللہ النشر میں لکھتے ہیں۔

"ولا شک ان القرآن نسخ منہ وغیر فیہ فی العرضۃ الاخیرۃ فقد صح النص بذلک عن غیر واحد من الصحابۃ وروینا باسناد صحیح عن زر بن حبیش قال قال لی ابن عبّاس ای القراءتین تقرأ قلت الاخیرۃ قال فان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یعرض القرآن علی جبریل علیہ السلام فی کل عام مرۃ قال فعرض علیہ القرآن فی العام الذی قبض فیہ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مرتین فشھد عبد اللہ یعنی ابن مسعود ما نسخ منہ وما بدل فقراءۃ عبد اللہ الاخیرۃ

واذ قد ثبت ذلک فلا اشکال ان الصحابۃ کتبوا فی ھذہ المصاحف ما تحققوا انہ قرآن وما علموہ استقر فی العرضۃ الاخیرۃ وما تحققوا صحتہ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مما لم

ينسخ وان لم تكن داخلة فی العرضة الاخيرة ولذلك اختلفت المصاحف بعض اختلاف اذ لوكانت العرضة الاخيرة فقط لم تختلف المصاحف بزيادة نقص وغيرذلك وتركوا ماسوى ذلك ولذلك لم يختلف عليهم اثنان حتى ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه لما ولی الخلافة بعد ذلك لم ينكر حرفا ولا غيره مع انه هو الراوی ان رسول الله صلّی الله عليه وسلّم يامركم ان تقرؤا القرآن كما علمتم و هو القائل لو وليت من المصاحف ما ولی عثمان لفعلت كما فعل . . .

ثم ان الصحابة رضی الله عنهم لما كتبوا تلك المصاحف جردوها من النقط والشكل ليحتمله مالم يكن فی العرضة الاخيرة مما صح عن النبی صلّی الله عليه وسلم وانما اخلوا المصاحف من النقط والشكل لتكون دلالة الخط الواحد علی كلا اللفظين المنقولين المسموعين المتلوين شبيهة بدلالة اللفظ الواحد علی كلا المعنيين المعقولين المفهومين فان الصحابة رضوان الله عليهم تلقوا عن رسول الله صلّی الله عليه وسلّم ما امره الله تعالی بتبليغه اليهم من القرآن لفظه و معناه جميعا و لم يكونوا ليسقطوا شيئا من القرآن الثابت عنه صلّی الله عليه وسلّم ولا يمنعوا من القراءة به (ص ۳۲ ج ۱ النشر)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں قرآن میں نسخ اور تغیر ہوا۔ اس کی تصریح صحیح سند سے بہت سے صحابہ سے منقول ہے۔ صحیح سند سے ہے۔ زر بن جیشؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے

مجھ سے پُوچھا تم کون سی قراءت پڑھتے ہو تو مَیں نے جواب دیا کہ آخری والی پھر یہ وضاحت کی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم جبریل علیہ السّلام سے ہر سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک پڑھتے تھے اور جس سال آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہُوا اُس سال آپ نے حضرت جبریل کو دو بار قرآن سُنایا تو اُس وقت جو کچھ نسخ اور تبدیلی ہُوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے شاہد اور گواہ ہَیں اور ان کی قراءت آخری قراءت ہے۔

جب یہ ثابت تو اس میں کچھ اشکال نہیں رہا کہ ان مصاحف میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف وہی کچھ لکھا جس کی اُن کو تحقیق تھی کہ وہ قرآن ہے اور جو عرضۂ اخیرہ میں قائم رہا تھا اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جس کی صحّت ثابت تھی اور منسوخ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عرضۂ اخیرہ میں اس کو پڑھا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے مصاحف میں بعض اختلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن فقط وہی ہوتا جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عرضۂ اخیرہ میں پڑھا تھا تو مصاحف میں زیادت اور کمی کا اختلاف اور دیگر اختلاف نہ ہوتے اور صحابہ نے اس کے علاوہ کو ترک کر دیا ہوتا۔ اسی لیے صحابہ کے اس عمل پر کسی دو کا بھی اختلاف نہیں ہُوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو خود اس بات کے راوی ہَیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم (مَیں سے ہر ایک) اس طرح قرآن پڑھو جیسے تم سکھلائے گئے ہو جب اُنھوں نے خلافت کی ذمّہ داری سنبھالی تو نہ کسی حرف کو غلط کہا اور نہ ہی اس میں کچھ تبدیلی کی اور فرماتے ہَیں کہ "مُصاحف کے بارے میں جو کچھ عثمان نے کیا اگر مجھے موقع ملتا تو وہی مَیں کرتا"

پھر صحابہ نے جب یہ مصاحف لکھے تو نقطہ و اعراب سے ان کو خالی رکھا تاکہ اُن میں وہ قراءتیں بھی شامل ہو جائیں جو اگرچہ عرضۂ اخیرہ میں پڑھی نہیں گئیں، لیکن نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے صحّت کے ساتھ ثابت ہَیں۔ اُنھوں

مصاحف کو جو نقطہ و اعراب سے خالی رکھا تو اس وجہ سے کہ ایک ہی خط کی دلالت دو منقول و مسموع اور متلو لفظوں میں ہو جائے جیسا کہ ایک لفظ کی دو معقول و مفہوم معانی پہ دلالت ہوتی ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے وہی کچھ سیکھا جس کو لفظ و معنی سمیت ان تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیا تھا اور صحابہ، نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت قرآن میں سے کچھ ساقط کرنے والے نہیں تھے اور نہ ہی اس کی قراءت سے منع کرنے والے تھے۔"

یہاں ہم ایک اشکال کا دفعیہ کرتے ہیں۔

اشکال محقق ابن جزری رحمہ اللہ نے عرضۂ اخیرہ میں قرآن میں نسخ و تغیّر ہونے کی تصریح کی ہے اور مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ مقدمہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ "اس موقعہ پہ بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں اور صرف وہ قراءتیں باقی رکھی گئیں جو آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں"۔

نیز علوم القرآن میں فرماتے ہیں۔ "اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے منسوخ قرار دے دی گئی تھیں" ص ۱۴۹

جواب ہم کہتے ہیں کہ محقق نے اپنے اس قول میں نہ تو یہ تصریح کی ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں مرادفات کا نسخ ہُوا اور نہ ہی اس کو صراحت سے ذکر کیا ہے کہ اور قسم کی قراءات منسوخ ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے صرف نسخ اور تغیّر کا ذکر کیا ہے اور مرادفات کا اس کا مصداق ہونا تو ظاہر ہے، لیکن اور قراءات کو منسوخ ماننا محتاج دلیل ہے۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ کا یہ قول کہ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پُوچھا کہ تم کونسی قراءت پڑھتے ہو اور مَیں نے کہا آخری اس کو مرادفات کے علاوہ بعض دیگر قراءات کے نسخ پہ دلیل بنانا واضح نہیں ہے کیونکہ یہ تو مرادفات پر بھی صادق آسکتا ہے۔

باب دوم، نقل قراءات حصّہ اوّل صحابہؓ کرام اور تابعین میں سے شیوخ قراءات

جملہ صحابہؓ کرام قاریؒ بعض حافظ اور بعض خصوصیت کے ساتھ معلّم قراءات تھے۔ امام ابوعبید قاسمؒ

لہ آج کل قاری اُسے کہتے ہیں جو سبعہ یا عشرہ قراءات جانتا ہو اور حافظ سے اُس کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ تصور ہوتا ہے۔ صدر اوّل میں ہر قرآن پڑھنے والے کو قاری کہتے تھے اور حافظ کا درجہ اس سے بہت بلند تھا۔

بن سلام پچھلے مقدس گروہ کے متعلق کتاب القراءات میں کہتے ہیں" مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن السائبؓ امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور انصار میں سے حضرت ابیؓ۔ حضرت معاذؓ حضرت ابوالدرداءؓ۔ حضرت زیدؓ، حضرت ابو زیدؓ، حضرت مجمعؓ بن جاریہ۔ حضرت انسؓ بن مالک سے وجوہ قراءات منقول ہیں"۔ اسی متبرک گروہ میں سے حضرت عیاشؓ ______ اور آپ کے فرزند ابوالحارثؓ عبداللہ بن عیاشؓ قرشی، حضرت فضالہؓ بن عُبید انصاری اور حضرت واثلہؓ بن اسقع لیثی ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اور بعض نے بواسطہ قرآن پڑھا تھا اور تمام جماعت روزانہ حضورؐ کی زبان مُبارک سے سُنتی رہتی تھی۔ اس برگزیدہ جماعت نے ہر حرکت و اِسکان اور حذف و اثبات کو حضورؐ سے ضبط کیا تھا اور ہر قسم کے وہم و شک سے پاک تھی اور جس طرح پڑھا تھا اُسی طرح تابعین کو پڑھادیا۔

صحابہؓ کرام کے بعد قرآن پڑھانے والے تابعین عظام ہیں جو اسلامی دُنیا کے ہر گوشہ میں موجود تھے۔ ان میں سے پانچوں اسلامی مرکزوں میں حسب ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قراءات کے معلّم تھے۔

مدینہ طیبہ میں حضرت امام زین العابدینؒ۔ سیّد التابعین حضرت سعید بن المُسَیّبؒ حضرت عُروۃ بن زبیرؓ، حضرت سالمؒ بن عبداللہؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت سلیمان و حضرت عطاءؒ ابنائے یسارؒ، حضرت معاذ بن الحارث معروف بمعاذ قاری، حضرت امام محمد باقرؒ حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، حضرت محمد بن شہاب الزہری۔ حضرت مسلم بن جُندُب ہُذَلی قاضی، حضرت زید بن اسلم، حضرت یزیدؒ بن رومان، حضرت صالح بن خوّات، حضرت عکرمہ بربری مولیٰ حضرت ابن عباسؓ حضرت امام جعفر صادقؒ وغیرہ

مکّہ معظمہ میں حضرت عُبَید بن عُمیر۔ حضرت عطاء ابن ابی رباح۔ حضرت طاؤسؒ حضرت مجاہد بن جبرؒ حضرت عکرمہؒ بن خالدؒ، حضرت ابن ابی مُلیکہؒ، حضرت درباسؒ مولیٰ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ۔

کوفہ میں، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت اسود بن یزید، حضرت عَبیدۃ بن عمرو حضرت عمرو

بن شرحبیل۔ حضرت مسروق بن اَجدع، حضرت عاصمؒ بن ضمرۃ سلُولی۔ حضرت زیدؒ بن وہب۔ حضرت حارث بن قیس، حضرت حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی، حضرت ربیع بن خثیم، حضرت عمرو بن میمون، حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی، حضرت زِرّ بن حبیش، حضرت سعد ابن الیاس، حضرت عُبَید بن نضیلہ، حضرت ابو زرعۃ بن عمرو بن جریر۔ حضرت سعید جبیر والبی۔ حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس۔ حضرت عامر شعبی حضرت حمران بن اعین، حضرت ابو اسحاق سبیعی۔ حضرت طلحۃ بن مُصرّف، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی۔ حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی قاضی، حضرت منصور بن معتمر بن مقسم ضبی ضریر۔ حضرت زائدۃ بن قُدامہ، حضرت منہال بن عمرو اسدی وغیرہ

بصرہ میں حضرت عامر بن عبد قیس۔ حضرت ابو العالیۃ رضؓ۔ حضرت ابو الرجاء، حضرت نصر ابن عاصم حضرت یحییٰ رضؓ بن یعمر۔ حضرت جابر بن زید، حضرت معاذ رضؓ، حضرت خواجہ حسن رضؓ، حضرت محمدؒ بن سیرین۔ حضرت قتادہ۔ حضرت ابو الاسود دُوَلی واضع نحو، حضرت حطّان رضؓ بن عبداللہ رقاشی وغیرہ۔

دمشق میں حضرت مغیرۃ بن ابی شہاب اور حضرت خلید رضؓ بن سعد وغیرہ۔

ان میں سے بعض نے حضرات صحابہ کرام سے براہِ راست اور بعض نے بواسطہ قرآن پڑھا تھا۔ اور ہر حرف کو ضبط کیا تھا اور حضرات خلفاء رضؓ راشدین اور مہاجرین رضؓ و انصار سابقین سے سُنتے تھے۔ پھر بعض نے اپنا تمام وقت اور بعض نے اکثر اور بعض نے ایک حصّہ خدمتِ قرآن کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

قسط : ۲

تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

باب دوم: نقل قراءات حصّہ ثانی صاحبِ اختیار ائمہ قراءات

اِنہیں تابعین اور تبع تابعین میں سے وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام چیزوں سے اعراض کر کے اپنے آپ کو خدمتِ قرآن کے لیے وقف کر دیا۔ حصولِ قراءات اور اُن کے ضبط و حفظ میں اتنی جدوجہد کی کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں حتّٰی کہ مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے۔ ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہؓ کرام سے اور بعض نے صحابہؓ کرام اور تابعینؒ سے اور بعض نے صرف تابعین سے اور بعض نے تابعین اور تبع تابعینؒ سے قرآن پڑھا اور ہر شخص نے اُن کی تعلیم کردہ وجوہ قراءات میں سے عربیت میں اقوٰی اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لیے جُدا جُدا قراءات اختیار کر لیں اور عمر بھر اُنہی کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ تمام مفسرین و محدّثین اور جملہ فقہاء و مجتہدین اُن کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے اور مندرجہ صدرِ اسلامی مرکزوں میں سے کوئی شخص اُن کے ایک حرف کا بھی انکار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ دوسری صدی سے دنیائے اسلام میں وہی پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین حصص اور ہر شہر و قصبہ سے طلباء سفر کر کے اُن سے پڑھنے آتے تھے اور اُن قراءتوں کو اُن کے نام سے منسوب کرتے تھے جو آج تک اُنہی کے نام سے معنون چلی آتی ہیں۔ اُن صاحب اختیار حضرات میں سے

مدینہ منوّرہ میں امام ابوجعفر یزیدؓ بن القعقاع قاری۔ امام شیبۃ بن النِصاح قاضی اور اُن کے بعد امام نافع بن عبدالرحمٰن

مکّہ معظمہ میں امام عبداللہ بن کثیر۔ امام حمید بن قیس الاعرج امام محمّد بن عبدالرحمٰن بن مُحَیصن سہمی۔

کوفہ میں۔ امام یحیٰی بن وثّاب اسدی۔ امام عاصم بن ابی النجود۔ امام سلیمان بن مہران الاعمشؒ۔ ان

کے بعد امام حمزہ بن حبیب الزیّات ۔ پھر امام ابوالحسن علیؒ الکسائی پھر امام خلف بن ہشام البزّار بصرہ میں امام عبداللہ بن ابی اسحٰقؒ حضرمی ۔ امام عیسٰی بن عمروؒ ہمدانی منزیہ ۔ امام ابوعمروؒ بن العلاءؒ اُن کے بعد امام عاصمؒ بن حجاج حجدری ۔ پھر امام یعقوبؒ بن اسحاق حضرمی ۔

اور دمشق میں امام عبداللہ بن عامر ۔ امام عطیہؒ بن قیس کلابی ۔ امام اسمعیلؒ بن عبداللہ بن مہاجر ۔ اِن کے بعد امام یحیٰی بن حارث ذِماری ۔ پھر امام شریح بن زید حضرمی مشہور صاحب اختیار ائمہ تھے ۔

اختیار قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں جاری رہا اور خدا جانے کہ کتنے صاحب اختیار ائمہ پیدا ہوئے ۔ امام ابو محمد مکّی کہتے ہیں "کتابوں میں اُن ستّر صاحب اختیار ائمہ کی قراءات مذکور ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے" اس سے قیاس کریں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان سے کم اور کمتر کتنے ائمہ ہوں گے ۔

سلسلہ اختیار کی وجہ

واقعہ یہ ہے کہ کلمات قرآنی کی دو قسمیں ہیں ۔ متفق علیہ جن کو تمام صحابہؓ کرام نے ایک طرح پڑھا ہے ۔ اُن میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ مختلف فیہ خواہ ان کا تعلّق اصول سے ہو یا فُرش سے ہو جن کو صحابہؓ کرام نے لغوی اختلاف یا نحوی وجوہ کی بناء پر مختلف طرح پڑھا ہے ۔ دونوں اقسام کے الفاظ منزّل من اللہ اور حضور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تعلیم کردہ ہیں ۔ مثلاً ایک صحابیؓ نے صلہ ۔ اظہار ۔ تسہیل اور فتح سیکھا ۔ دوسرے نے بغیر صلہ ۔ اظہار ۔ تسہیل اور فتح ۔ تیسرے نے بغیر صلہ ادغام تسہیل اور امالہ ۔ اسی طرح اور بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں اور چونکہ ان اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہٖ واجب نہ تھی لہٰذا تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے اپنے اساتذہ کی قراءات سے بہ پابندیِ شرائط نئی ترتیب سے قراءات اختیار کر لیں اسی وجہ سے صدر اوّل کی قراءات کا کوئی شمار نہیں بتایا جا سکتا ۔ محقق کہتے ہیں "امام ابو عُبَیدؒ ۔ قاضی اسمعیلؒ اور امام ابوجعفرؒ ابن جریر طبری نے اپنی کتابوں میں قراء سبعہ سے مقدم وہ پندرہ قراءات بیان کی ہیں جو صحابہؓ کرام کے عہد میں پڑھی جاتی تھیں اور جن سے وہ نماز پڑھتے تھے"

ائمہ کے تلامذہ اور رُواۃ ان گنت تھے اور پھر اُن میں سے ہر ایک کی جانشین ایک قوم بنی جن کی تعداد خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی مصنّف کی یہ طاقت ہے کہ اُن کا احصٰی کر سکے ۔

صاحب اختیار ائمہ قراءات سبعہ کے اپنے ان گنت شاگرد ہیں۔ ہر ایک کے دو دو شاگرد جو زیادہ معروف ہوئے ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہ راوی کہلاتے ہیں۔ اور پھر راویوں سے مثلاً علامہ دانی صاحب تیسیر رحمہ اللہ تک جن واسطوں سے قراءات پہنچیں ان کو طرق کہتے ہیں۔

قاری	راوی	طرق
۱۔ نافع مدنی	۱۔ قالون	ابو نشیط[۱]، ابو حسان[۲]، ابن بویان[۳]، ابراہیم بن عمر مقری[۴]، عبدالباقی[۵]، ابو الفتح
	۲۔ ورش	(۱) ازرق (۲) نحاس (۳) تجیبی (۴) ابو القاسم خاقانی
۲۔ ابن کثیر مکی	۱۔ بزی	(۱) ابو ربیعہ (۲) نقاش (۳) ابو القاسم فارسی
	۲۔ قنبل	(۱) ابن مجاہد (۲) ابو احمد سامری (۳) ابو الفتح
۳۔ ابو عمرو بصری	۱۔ دوری	(۱) ابن عبدوس (۲) ابن مجاہد (۳) عبدالواحد (۴) ابو القاسم فارسی
	۲۔ سوسی	(۱) ابن جریر (۲) ابو احمد سامری (۳) ابو الفتح۔
۴۔ ابو عامر شامی	۱۔ ہشام	(۱) الحلوانی (۲) ابن عبدان
	۲۔ ابن ذکوان	(۱) اخفش (۲) نقاش (۳) ابو القاسم فارسی
۵۔ عاصم کوفی	۱۔ ابو بکر	(۱) یحییٰ (۲) صریفینی (۳) الاصم (۴) ابراہیم بن عبدالرحمٰن (۵) عبدالباقی (۶) ابو الفتح۔
	۲ حفص	(۱) عبید (۲) شنانی (۳) ہاشمی (۴) ابو الحسن
۶۔ حمزہ	۱۔ خلف	(۱) ادریس حداد (۲) ابن بویان (۳) حرتکی

قاری	راوی	طرق
		(۴) ابوالحسن
	۲۔ خلاد	(۱) جوہری (۲) ابن شنبوذ (۳) ابواحمد سامری (۴) ابوالفتح۔
۷۔ کسائی	۱۔ ابوالحارث	(۱) کسائی صغیر (۲) بلخی (۳) زید بن علی (۴) عبدالباقی (۵) ابوالفتح
	۲۔ دوری	(۱) ابوالفضل (۲) ابن جلندا (۳) عبدالباقی (۴) ابوالفتح

قراءت روایت اور طریقہ کا فرق

اگر دو قراءتوں میں ایسا اختلاف ہے کہ ہر قراءت کے تمام راوی اس پر متفق ہیں تو یہ قراءت ہے اور اگر کسی قراءت کے رواۃ میں اختلاف ہے مگر روایت کے طرق متحد ہیں تو یہ روایت ہے اور اگر راوی کے شاگردوں میں اختلاف ہے خواہ کسی طبقہ میں ہو تو یہ طریقہ ہے۔

باب سوم ضابطۂ قراءات

ہم نے اُوپر بیان کیا ہے کہ ائمہ کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ ان گنت تھے۔ اُن میں سے بعض ضبط و اتقانِ روایت و درایت وغیرہ میں کامل۔ امام اور حجۃ تھے اور بعض میں کسی وصف کی کمی تھی جس سے اختلاف رونما ہونے لگا اور قریب تھا کہ حق و باطل میں التباس ہو جائے کہ وعدۂ الٰہی آڑے آگیا۔ محقق علمائے اُمّت اور حاذق و مجتہدین ملّت خدمتِ کتاب اللہ کے لیے کھڑے ہو گئے اُنھوں نے طرق و روایات کو جانچا حروف کی پڑتال کی۔ متواتر کو آحاد سے۔ مشہور کو شاذ سے اور صحیح کو فاسد سے ممتاز کیا اُن میں فرق کرنے کے لیے ارکان و اُصول مقرّر کر دیے اور قبولِ قراءات کا حسبِ ذیل ضابطہ بنا دیا۔

جو قراءۃ عربیت کے موافق ہو اگرچہ یہ موافقت بوجہٍ[1] ہو۔ اور مصاحفِ عثمانیہ

---

[1] یعنی نحوی وجوہ میں سے کسی وجہ سے موافق ہو خواہ وہ فصیح ہو یا افصح۔ یہ مراد نہیں کہ نسخاۃ میں سے کوئی اس کے خلاف ←

میں سے کسی ایک[1] کے مطابق ہو۔ خواہ یہ مطابقت احتمالاً[2] ہو۔ اور سند صحیح متصل سے ثابت اور

نہ ہو۔ کیونکہ نحاۃ نے بعض قراءات کا انکار کیا ہے مگر ائمہ قراءۃ ان کے انکار کی ایک ذرہ کے برابر پروا نہیں کرتے، چنانچہ بَارِئِكُمْ۔ يَامُرُكُمْ۔ لِسَبَأٍ۔ مَكْرُ السَّيِّئِ وغیرہ کے اِسکان۔ هَلْ تَرَبَّصُونَ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهُ وغیرہ۔ (بقراءۃ بزیؒ) شَهْرُ رَمَضَانَ عَفْوٌ اَمْر وغیرہ (بقراءت سوسیؒ) فَمَا اسْطَاعُوْا (بقراۃ حمزہ) نِعِمَّا لَا يَهِدِّي کے اجتماع ساکنین كُنْ فَيَكُوْنَ کے نصب وَالْاَرْحَامِ کے خفض عَنْ سَأَقَيْهَا کے ہمزہ وِاِنَّ الْيَاسَ کے وصل اور بعض دیگر حروف کا بعض نحوی انکار کرتے ہیں۔ علامہ دانیؒ بَارِئِكُمْ کے اسکان پر سیبویہ کا اعتراض نقل کرکے جامع البیان میں کہتے ہیں۔ "اسکان نقلاً اصح اور اداءً اکثر کا مذہب اور میرے نزدیک مختار ہے۔ میں اسی کو لیتا ہوں۔" پھر ائمہ کے اقوال نقل کرکے کہتے ہیں۔ "ائمہ قراءۃ قرآن کے کسی حرف میں اُس پر عمل نہیں کرتے جو لغت میں زیادہ مشہور اور عربیت میں اقیس ہو بلکہ اُس پر عمل کرتے ہیں جو اثراً اثبت اور نقلاً و روایتاً اصح ہو اور جب اِس طرح کوئی حرف ثابت ہو جائے تو اس کو نہ عربیت کا قیاس رَد کر سکتا ہے اور نہ لغت کی شہرت کیونکہ قراءت سُنّتِ متبعہ ہے جس کا قبول کرنا واجب اور اُس پر لازم ہے۔"

[1] مثلاً قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ (بقر) مصحف شام میں بلاواؤ۔ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا (توبہ) مصحف مکہ میں بزیادۃ مِنْ۔ خَيْرًا مِّنْهُمَا (کہف) مصاحف حجاز و شام میں بزیادۃ میم تثنیہ اور فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيُّ (حدید) مصحف مدینہ اور شام میں بغیر ہَوَ مرسوم تھا۔

[2] احتمالی موافقت سے ہمارے ائمہ کی مراد یہ ہے کہ بعض کلمات میں بعض قراءات رسم کے صریحاً مطابق ہوتی ہیں اور بعض تقدیراً جیسے لکِ تمام مصاحف میں بلا الف رُسوم ہے پس قراءۃ حذف صریحاً اور قراءۃ الف احتمالاً موافق ہے اور النَّشْأَةَ بالف مرسوم ہے۔ پس قراءۃ مد صریحاً اور قراءۃ قصر احتمالاً موافق ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمزہ خلاف قیاس بصورتِ الف لکھا گیا ہو اور بعض کلمات میں تمام قراءات احتمالاً موافق ہوتی ہیں جیسے السَّمٰوٰتِ۔ الصّٰلِحٰتِ وَالَّيْلِ۔ الصَّلٰوةَ۔ الزَّكٰوةَ۔ الرِّبٰوا۔ وغیرہ میں۔ اور جیسے وجآئ دو جگہ بالف مرسوم ہے اور بعض کلمات میں تمام قراءات صریحاً مطابق ہوتی ہیں۔ جیسے اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ فَنَادَتْهُ۔ تَعْلَمُوْنَ۔ هِيْتَ۔ اِنْ نَعْفُ۔ نُعَذِّبْ وغیرہ کیونکہ مصاحف عثمانی نقاط و اعراب سے مجرد تھے۔ اور اس رسم الخط سے صحابہ کرام کا فضل عظیم ثابت ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ علم ہجا میں کیسی معرفت تامہ رکھتے تھے اور جب اُن کا رسم میں یہ حال تھا تو تحقیق معانی میں کیا شان ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے قرآن۔ توریت اور انجیل ←

ائمہ فن کے یہاں مشہور ہو[1] وہ قراءۃ صحیحہ اور ان احرفِ سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا محقق رح کہتے ہیں "جو قراءۃ اس طرح ثابت ہو اُس کا ردو انکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اُس کا قبول کرنا واجب ہے خواہ ائمہ سبعہ کی قراءات میں ہو یا عشرۃ کی یا ما فوق عشرہ کی اور اگر ارکان ثلثہ میں سے کوئی رکن مختل ہو جائے تو وہ ضعیف شاذ اور فاسد و باطل ہے خواہ سبعہ سے ہو یا ما فوق سبعہ سے۔ تمام محققین ائمہ سلف و خلف اِس تعریف کو صحیح کہتے ہیں" حافظ ابو عمرو دانی۔ ابو محمد مکی رح۔ اور مہدوی نے یہی تصریح کی ہے باقی تمام متقدمین کا بھی یہی مذہب ہے اور اُن میں سے کوئی اس کے خلاف نہیں"۔ حافظ ابو شامہ مرشد الوجیز میں کہتے ہیں "ہر اُس قراءۃ کو جو ائمہ سبعہ کی جانب منسوب اور صحیح کہلاتی ہو اُسی وقت منزّل من اللہ اور صحیح کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ اس ضابطہ میں آجائے اور مطابقتِ ضابطہ کی صورت میں کوئی مصنّف اس کی نقل میں متفرد نہیں ہو سکتا اور نہ وہ کسی امام سے مختص ہو سکتی ہے۔ اصل اعتماد ان اوصافِ ثلثہ پر ہے نہ انتساب پر۔ اور بیشک ہر قراءۃ میں خواہ سبعہ میں سے ہو یا غیر سبعہ سے وجوہِ صحیحہ اور شاذ پائی جاتی ہیں۔ البتہ قراءاتِ سبعہ سے بوجہ شہرت اور کثرتِ وجوہِ صحیحہ متفق علیہ طمانیت اور میلانِ خاطر زیادہ ہوتا ہے"۔ نیز کہتے ہیں "متاخرین مقرئیوں اور اُن کے مقلدین کی زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ قراءاتِ سبعہ تمام و کمال متواتر ہیں یعنی قراء سبعہ مشہورہ سے جو حرف منقول ہے وہ متواتر منزّل من اللہ اور واجب التسلیم ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں، مگر اُن

← میں صحابہ کرام رض کی تعریف کی ہے اور ان کے لیے "وعدہ کیا ہے جو اُن کے بعد کسی اور کے لیے نہیں۔ اُن حضرات نے سُنّت رسول ہم تک پہنچائی۔ نزول وحی کا مشاہدہ کیا اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عموم۔ خصوص اور عزم و ارشاد اور سُنّت میں سے جو کچھ ہمیں معلوم نہیں وہ اُس سب کو جانتے تھے اور ہم سے ہر طرح کے علم۔ اجتہاد۔ ورع۔ عقل اور استنباط میں افضل تھے۔ اُن کی رائے ہمارے لیے ہماری رائے سے بدرجہا محمود و اولیٰ ہے"۔ محقق کہتے ہیں "صحابہ کرام رض نے الصِّرَاط۔ اَلْمُصَيْطِرُوْنَ۔ اور يَبْصُطُ کو اصل کے خلاف جو بالسین تھی صاد سے اسی واسطے لکھا ہے کہ حامل قراتین ہو سکے۔ اور یہی رعایت حذف و اثبات میں ہر جگہ رکھی ہے"۔

[1] مقصد یہ ہے کہ اس قراءۃ کو عادل ضابط نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے مثل سے روایت کرتے ہوں۔ اور ائمہ ضابطین کے نزدیک مشہور بھی ہو۔ یعنی غلط اور شاذ نہ سمجھی جاتی ہو۔

حروف کے بارہ میں جن کو ائمہ سے نقل کرنے میں تمام طرق اور رواۃ متفق ہیں اور کوئی منکر نہیں۔ حالانکہ (بعض حروف میں) اختلاف و تفرقہ شائع اور مشہور ہے پس اس حال میں کم از کم اُن حروف کے اندر یہ ضابطہ برتنا پڑے گا جن میں تواتر متحقق نہیں ہوا۔

علامہ جعبری رح کہتے ہیں۔" قراءۃ کے لیے ایک شرط ہے۔ صحتِ نقل اور باقی دونوں چیزیں لازم ہیں۔ احرف سبعہ کے معلوم کرنے کا یہی ضابطہ ہے جس کو ناقلین کی معرفتِ عربیت میں امعانِ نظر رسم کا اتقان ہو اس کے لیے یہ شبہہ خود بخود منکشف ہو جاتا ہے۔"

بعض متاخرین کا قول کہ صحت قراءت کیلئے تواتر شرط ہے صحیح نہیں ہے

محقق ابن جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں۔" بعض متاخرین نے صحتِ قراءۃ کے لیے رسم و عربیت کی موافقت کے ساتھ تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحت سند کو کافی نہیں سمجھا ———— وہ کہتے ہیں کہ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہو سکتا، مگر ان لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب کوئی حرف تواتر سے ثابت ہو جائے تو اُس کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی بلکہ اُس کا قبول کرنا بلا شرط واجب ہے، کیونکہ وہ قطعاً قرآن ہے لیکن جب ہم ہر حرف کے لیے تواتر کی شرط لگا دیں تو قراء سبعہ کی بہت سی اختلافی وجوہ مرتفع ہو جائیں گی۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا مگر جب مجھے اِس کی خرابی معلوم ہوئی تو میں نے ائمہ سلف کی رائے کی جانب رجوع کر لیا۔"

حضرت محقق رح نے متاخرین کی جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ چھٹی صدی کے بعد بعض علمائے مصر نے قائم کی تھی۔ جس پر وہ صدیوں قائم رہے، چنانچہ علامہ سید رح غیث النفع میں کہتے ہیں۔" مذاہبِ اربعہ کے فقہا اور اصولی۔ اور تمام محدثین و قراء کا مذہب ہے کہ صحتِ قراءۃ کے لیے تواتر شرط ہے۔" اس کے بعد ضابطۂ مندرجۂ صدر نقل کر کے بایں الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں۔ یہ بدعت ہے جس سے غیر قرآن قرآن سے مساوی ہو جاتا ہے اور اختلاف قراءۃ سے ثبوت تواتر میں کوئی خرابی نہیں آتی، کیونکہ ایک قراءۃ کسی قوم کو متواتراً پہنچی اور دوسری کو نہیں پہنچی۔ اسی وجہ سے کسی قاری نے دوسرے کی قراءت نہیں پڑھی۔ کیونکہ وہ اُس کو علیٰ وجہ تواتر نہیں پہنچی تھی۔ الخ۔ پھر کہتے ہیں۔" جو متواتر نہیں وہ شاذ ہے اور اس وقت ماسواء عشرۃ ہر قراءۃ شاذ ہے۔" سید رح کے مزاج میں تشدد ہے۔ ورنہ بوجوہات ذیل ایسا نہ کہتے۔

اوّل ۔ اُصولی فقہاء و محدّثین کہتے ہیں کہ قرآن متواتر ہے ۔ یہ نہیں کہتے کہ ہر وجہ اختلافی متواتر ہے باقی رہے قراء اُن میں سے مشاہیر ائمہ کا مسلک اُوپر بیان ہُوا اور حضرت محقق رح کی اس تصریح کے بعد کہ جملہ اسلاف کا یہی مذہب ہے اور اُن میں سے کوئی اس کے خلاف نہیں سیّد رح کا پہلا دعوٰی کہاں تک قابلِ قبول ہے ۔

دوم ۔ غیر قرآن قرآن سے کس طرح مساوی ہو سکتا ہے جبکہ صحّت سند اور شہرت کی قید لگی ہُوئی ہے اور اگر مساوات فی التعریف مراد ہے تو کیا نماز وغیرہ کی بعض احادیث کو جو متواتر ہیں اس لیے متواتر نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کو متواتر کہتے ہیں ۔

سوم ۔ قراءات سبعہ اور عشرہ کی ہر وجہ اختلافی کے متواتر ہونے کا کس نے دعوٰی کیا ہے ، وہ ظاہر کیا جائے جبکہ علّامہ دانی رح وغیرہ کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں ۔

چہارم ۔ کسی وجہ کے غیر متواتر ہونے سے یہ کس طرح لازم آگیا کہ وہ ضرور شاذ ہے جبکہ ان کے درمیان صحیح و مشہور کا مرتبہ اور موجود ہے ۔ خود سیّد رح اور دیگر شیوخِ مصر نے اپنی کتابوں میں ایسی وجوہ بیان کی ہیں ۔ اور سیّد رح کا یہ کہنا کہ کسی قاری نے دوسرے کی قراءۃ اس لیے نہیں پڑھی کہ وہ اسے تواتراً نہیں پہنچی بے معنی بات ہے ۔ شاید موصوف ۔ رواۃ اور طرق کے اختلاف کے بارہ میں بھی یہی کہہ دیں ، حالانکہ وہاں شیخ ایک ہے اور آیا یہ ممکن ہے جو وجہ عاصم رح و ابن کثیر رح کو تواتراً پہنچی ہو وہ بصری رح کو جو اُن کے شاگرد ہیں نہیں پہنچی اور جو حرف حمزہ رح کو پہنچا وہ کسائی کو نہیں پہنچا ۔ ہرگز نہیں ۔

حق وہی ہے جو ائمہ سلف نے بیان کیا اور نتیجہ بحث یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اُس کی تین قسمیں ہیں ۔ اوّل ۔ باجماع متواتر ۔ دوم ۔ ایک جماعت کے نزدیک متواتر ۔ پہلی قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ اور دوسری قسم جن حضرات کو تواتراً پہنچی اُن کے طرق کا اُس پر اجماع ہونا چاہیے ، ان دونوں اقسام کے حروف کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی ، مگر نا ممکن ہے کہ یہ عربیت کی کسی وجہ اور رسم کے احتمالاً مطابق نہ ہوں اور اگر بفرض محال خلاف ہوں تب بھی کوئی پروا نہیں ۔ سوم صحیح و مشہور جس کو حضور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثقاۃ وضابطہ و عادل بسندِ متصلہ روایت کریں اور ائمہ فن کے نزدیک مشہور ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو اُس کو اسی شرط سے قبول کیا جائے گا کہ وہ اس ضابطہ کے موافق ہو ورنہ ضعیف و شاذ و یا باطل ہے ۔ کما مرّ ۔

اشکال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صاحب اختیار تک تواتر شرط نہیں ہے صرف صحتِ نقل کافی ہے تو قراءات کو متواترہ کیونکر کہا جا سکتا ہے ؟

حل مناھل العرفان فی علوم القرآن میں عبد العظیم زرقانی رحمہ لکھتے ہیں۔

ان ھذہ الارکان الثلاثۃ تکاد تکون مساویۃ للتواتر فی افادۃ العلم القاطع بالقراءات المقبولۃ ۔ بیان ھذہ المساواۃ ان ما بین دفتی المصحف متواتر و مجمع علیہ من الائمۃ فی افضل عھودھا و ھو عھد الصحابۃ فاذا صح سند القراءۃ ووافقت قواعد اللغۃ ثم جاءت موافقۃ لخط ھذا المصحف المتواتر کانت ھذہ الموافقۃ قرینۃ علی افادہ ھذہ الروایۃ للعلم القاطع وان کانت احادا ولا تنس ما ھو مقرر فی علم الاثر من ان خبر الآحاد یفید العلم اذا احتفت بہ قرینۃ توجب ذلک فکان التواتر کان یطلب تحصیلہ فی الاسناد قبل ان یقوم المصحف وثیقۃ متواترۃ بالقران۔ اما بعد وجود ھذا المصحف المجمع علیہ فیکفی فی الروایۃ صحتھا و شھرتھا حتی وافقت رسم ھذا المصحف و لسان العرب۔

قال صاحب الکواکب الدریۃ نقلا عن المحقق ابن الجزری ما نصہ قولنا " وصح سندھا " نعنی بہ ان یروی تلک القراءۃ العدل الضابط عن مثلہ وھکذا حتی ینتھی وتکون مع ذلک مشھورۃ عند ائمۃ ھذا الشان الضابطین لہ غیر معدودۃ عندھم من الغلط او مما شذ بہ بعضھم (ص ۴۲۱/۴۲۰)

ترجمہ : قراءاتِ مقبولہ کے بارے میں (ضابطہ کے) یہ تین ارکان علم قطعی کا فائدہ دینے میں تواتر کے مساوی ہیں۔ اس مساوات کا بیان یہ ہے کہ مصحف کے درمیان جو کچھ ہے اس پر سب سے بہتر زمانہ یعنی صحابہ کے زمانہ کے ائمہ کا تواتر اور اجماع تھا۔ پھر جب سند صحیح ہو تو قواعد لغت اور مصحف متواتر کی رسم

کے ساتھ موافقت روایت کے علم قطعی کا فائدہ دینے پر قرینہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ روایت آحاد میں سے ہو۔ نیز یہ بھی مت بھولو کہ علم حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قرائن کے ہوتے ہوئے خبر واحد علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

گویا مصحف کے متواتر وثیقہ بننے سے پیشتر تو سند میں تواتر کو طلب کیا جاسکتا تھا، لیکن متفقہ مصحف کے وجود کے بعد روایت کی صحّت و شہرت ہی کافی ہے جبکہ وہ رسم خط اور عربی زبان کے موافق ہو۔

کوکب دریہ میں محقق ابن جزری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ روایت کی سند کے صحیح ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ عادل و ضابط اپنے جیسوں سے اس قرأت کو روایت کریں اور اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک چلے۔ پھر وہ قرأت ماہرینِ فن کے نزدیک غلط اور شاذ نہ ہو بلکہ مشہور ہو۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مصحف میں جو کچھ ہے وہ تو اجماعی اور متواتر ہے۔ اب صرف اس کی ادائیگی کا مسئلہ رہ گیا؟ تو اس کی ادائیگی کا کوئی طریقہ اگر سند صحیح سے ہو اگرچہ متواتر نہ ہو، تب بھی وہ متواتر کے حکم میں ہے اور اُس کا وہی حکم ہوگا جو متواتر کا ہوتا ہے۔ غرض حکم کے اعتبار سے وہ متواتر ہے۔ اس لیے ان کو مطلقاً قراءاتِ متواترہ کہا جاتا ہے۔

خلاصۂ مافی الباب یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضؓ جن جن وجوہ پر قرآن پڑھتے تھے وہ سب صحیح اور منزّل من اللہ تھیں یعنی ہر صحابی رضؓ کو جو حرف حضور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پڑھایا تھا۔ وہ اُن کے لیے بلا تائید و تصدیق احدے اور بغیر شاہد حجّت تھا اور ان کے حق میں شذوذ و ضعف ہرگز نہ تھا۔ پھر جب صحابہ رضؓ کرام نے مصاحف عثمانیہ پر اجماع کر لیا تو اُمّت کے لیے اُن کا اتباع ضروری ہوگیا۔

حضرات تابعین رحؒ کبار نے صحابۂ کرام سے قرآن پڑھا اور مصاحف عثمانیہ کے مطابق تابعین رحؒ و تبع تابعین رحؒ کو پڑھایا۔ ان دونوں متبرک جماعتوں کے متعدد حضرات نے کئی کئی شیوخ سے قرآن پڑھا اور وجوہ مشہورہ کو انتخاب کر کے اپنے لیے جدا جدا قراءات اختیار کر لیں اور اتباع رسم کے ساتھ اپنے اختیار کو آحاد و غیر مشہور سے بچایا۔ کیونکہ ان کے حق میں شذوذ و ضعف پیدا ہو گیا تھا اور نیز

(بقیہ بر صـ۶۲)

تاکہ عام قارئین کے لیے بھی کتاب قابلِ استفادہ ہو سکے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا۔ اس طرح یہ کتاب آپ کی تسہیل کے ساتھ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند سے شائع ہوئی اسی کا عکس لے کر طیب اکیڈمی ملتان نے یہ کتاب شائع کی ہے، البتہ اکیڈمی والوں نے اس میں دو تصرف کر دیے ہیں۔ (۱) کتاب کا اصل نام تسہیل ادلۂ کاملہ تھا اسے بدل کر "غیر مقلدین سے لاجواب سوالات" کر دیا۔ (۲) پہلے یہ ۲۰×۲۶/۸ سائز پر طبع ہوتی تھی اب اس کا سائز ۲۳×۳۶/۱۶ کر دیا، بہر طور یہ کتاب اپنے موضوع سے متعلق نہایت عمدہ کتاب ہے۔ قارئین اس سے ضرور استفادہ کریں

ن۔ د

بقیہ: خواتین کی تعلیم و تربیت

لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے بچاؤ۔ انھیں قرآنی تعلیمات اور سُنّتِ رسولؐ کے راستوں پر گامزن کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو بھی ان کے برابر اَجر ملے گا اور اُن کے اَجر میں بھی کمی نہ ہوگی۔ اگر تم نے اس میں کوتاہی برتی، تساہل سے کام لیا اور اُن کو نافرمانیوں کے گرداب میں چھوڑ دیا تو تم سے قیامت میں باز پُرس ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ عن رعیتہ

ترجمہ: "تم سَب کے سب چرواہے (نگران) ہو اور سب سے اُن کی رعیّت کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔"

بقیہ: تاریخِ قراءات

اقویٰ فی العربیت کا لحاظ رکھا۔

قرونِ ثلٰثہ میں ان گنت قراءات پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں اور تیسری صدی تک علماء و ائمہ بتعداد مختلف قراءات پڑھتے اور پڑھاتے اور روایت کرتے تھے، اور جب تیسری صدی میں سلسلۂ تصنیف و تالیف شروع ہوا تو ہر مصنّف اپنی کتاب میں اُن قراءات کو بیان کرتا تھا جو اُس کو بسند صحیح متصل پہنچتی تھیں، چنانچہ امام ابو عبیدؒ اور قاضی اسمٰعیلؒ نے ۲۵۔ ۲۵۔ قراءات بیان کی ہیں۔ (جاری ہے)

(قسط: ۳، آخری)

تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

نوٹ: اس مضمون کی اصل شرح سبعہ قراءات سے ماخوذ ہے

باب چہارم۔ قراءات میں کمی واقع ہونے کی وجہ

خیر القرون کے بعد سند کی طوالت نے جب اکثر لوگوں میں کسل پیدا کر دیا اور بعض کے ضبط و حفظ میں ضعف اور شوق و ہمّت میں فرق آگیا تو علماء نے تعدادِ مُروّجہ میں کمی کر دی، چنانچہ امام ابوبکر بن مجاہد مقریٔ بغداد نے جو اُس وقت دُنیاء اسلام میں امام الائمہ تھے۔ قراءاتِ مروجہ میں سے بوجہ شہرت و کثرت وجوہِ صحیحہ و موافقتِ) سم اور عربیت میں اقویٰ ہونے کی بناء پر ائمہ سبعہ کو منتخب کر کے اُن کی قراءات میں کتاب السبعہ تصنیف کی اور اس کے مطابق روایات و قراءات پڑھانے لگے یہ پہلی کتاب ہے جس میں سبعہ پر اقتصار اور امام نافعؒ کو باقی حضرات سے مقدم بیان کیا گیا ہے یہ امر منجانب اللہ ہے کہ اُن کو ان کے انتخاب کا دھیان آیا ورنہ بقول امام ابو محمدؒ مکّی شر ائمہ کی قراءات ان سے مقدم موجود تھیں اور ائمہ ثلاثہ کی قراءات تو ہر لحاظ سے ان کے برابر تھیں مگر امامؒ موصوف کا یہ اعتقاد ہرگز نہ تھا کہ ان کے سوا دیگر قراءات شاذ یا غیر صحیح ہیں۔

اکثر اولوالعزم معاصرین نے امام موصوف کے اس عمل کو ناپسند کیا اور سات کی تعداد پر تو خاص اعتراض تھا، مگر امام ابن مجاہدؒ کی فقید المثال شخصیّت و شہرت اور اُن کی کتاب۔ سبعہ قراءات کے رواج کا باعث بن گئی اور باقی قراءات کی تعلیم میں کمی آنے لگی۔ پھر امام ابوعبداللہ قیروانیؒ۔ امام ابوالقاسم طرسوسیؒ اور امام ابوالعبّاسؒ مہدوی نے مشرق میں سبعہ کو اور مشہور کر دیا۔

چوتھی صدی کے آخر تک اندلس اور بلادِ مغرب میں ان سبعہ قراءاتِ مشہورہ کا رواج نہ تھا۔

سب سے پہلے امام ابو عمر طلمنکیؒ نے اُن کے بعد امام ابو محمدؒ مکی قیروانی اور امام العلّامہ حافظ ابو عمرو دانیؒ نے مصر وغیرہ سے پڑھ کر سبعہ قراءات اندلس میں پہنچائیں۔

اوائل پانچویں صدی تک قراءات سبعہ اکثر روایات و طرق مشہورہ کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ چنانچہ علّامہ دانی نے جامع البیان میں پانسو روایات و طرق بیان کیے ہیں۔

روایات کے کم ہونے کی وجہ

اس کے بعد ہمتیں اور گھٹ گئیں اور طلبار مزید اختصار کے خواستگار ہونے لگے۔ اس پر علّامہ دانیؒ نے تیسیر لکھی۔ اس کے شروع میں خود کہتے ہیں۔ "آپ صاحبوں نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں آپ کے لیے قراء سبعہ کے مذاہب پر ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں جس کا پڑھنا پڑھانا اور یاد کرنا آسان ہو اور اُس میں وہ مشہور روایات و طرق بیان کروں جو تھوڑے زمانہ میں حفظ ہو سکیں"۔ پھر کہتے ہیں۔ "پس میں نے آپ کی خواہش کے مطابق یہ کتاب لکھی اور اس میں ہر قاری سے دو دو روایات بیان کی ہیں"۔ تیسیر کے بعد ائمہ سبعہ کی دیگر روایات کا رواج بھی کم ہو گیا۔ اور چھٹی صدی کے آخر میں امام العلّامہ شاطبیؒ نے تیسیر کو نظم کر کے اس کی روایات و طرق کو چار چاند لگا دیئے اور چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔

جن قراءات کا رواج کم ہوتا گیا وہ مندرس ہو گئیں۔ قراءات ثلٰثہ بھی غائب ہو جاتیں، اگر ابن مہرانؒ ابن غلبونؒ، ابن شیطاؒ۔ اہوازیؒ قلانسیؒ۔ حافظ ابو العلاءؒ اور محققؒ وغیرہ ائمہ ان کو پڑھتے پڑھاتے اور تصنیف و تالیف سے (جن کا اجمالی حال آئندہ فصل میں آئے گا) ان کی حفاظت نہ کرتے اور اہلِ مصر وغیرہ اُن کی خدمت نہ کرتے رہتے۔ ائمہ سبعہ کی باقی روایات کی بھی یہی کیفیّت ہے کہ وہ بھی تیسیر کے بعد مندرس ہو گئیں اور جس طرح اِن روایات کے اِندراس کا باعث شذوذ نہیں اسی طرح اُن قراءات کے اندراس کا سبب بھی شذوذ نہیں ہے۔ بلکہ عُلماء فوت ہو گئے اور علم اُن کے ساتھ چلا گیا۔ آئندہ کوئی جانشین نہ بنا۔ اَب اُمّت کے پاس سبعہ مشہورہ متواترہ کی دو دو روایات اور قراءات ثلٰثہ متواترہ کی دو دو روایات اور چار دیگر قراءات باقی ہیں۔ یہ چاروں بھی صدیاں گزر گئیں پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں صرف کتابوں میں بیان ہوتی ہیں۔ عشرہ پڑھائی جاتی ہیں۔

غرض پڑھانیوالوں نے جب لوگوں کا کسل اور اُن کی ہمتوں میں قصور و فتور دیکھا تو پہلے سبعہ پر اور پھر سبعہ کے ایک قلیل حصّہ پر قانع ہو گئے۔

ایک شُبہہ کا ازالہ

بعض آدمیوں کو اس سے شُبہہ پیدا ہوگا کہ شاید کوئی حرف قرآن کا فوت و مفقود نہ ہو گیا ہو جس سے تمام اُمّت آثم ہُوئی اور نیز وعدۂ الٰہی میں تخلف ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اختلافات سات قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل صرف حرکات میں اختلاف ہوتا ہے۔ معنی اور صُورت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے بِالْبُخْلِ اور بِالْبَخَلِ۔ یَحْسَبُ ——— اور یَحْسِبُ وغیرہ اور اسی صُورت میں اُصولی اختلافات داخل ہیں۔ دوم۔ حرکات و معنی میں اختلاف ہوتا ہے صُورت میں نہیں جیسے اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ مرفوع و منصوب اور منصوبٌ مرفوع۔ سوم معنی میں اختلاف ہوتا ہے حرکات و صُورت میں نہیں ہوتا جیسے تَبْلُوْا۔ اور تَتْلُوْا۔ وغیرہ۔ چہارم۔ صُورت میں اختلاف ہوتا ہے۔ حرکات و معنی میں نہیں ہوتا۔ جیسے بَصْطَۃ اور بَسْطَۃ صِرَاطُ سِرَاطُ وغیرہ۔ تمام لغوی اختلافات۔ پنجم۔ صورت و معنی دونوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ حرکات میں نہیں ہوتا جیسے اَشَدَّ مِنْکُمْ۔ اَشَدَّ مِنْھُمْ۔ ششم۔ تقدیم و تاخیر سے جیسے فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ ہفتم۔ زیادۃ و نقصان سے جیسے وَوَصّٰی۔ وَاَوْصٰی۔ وَقَالُوْا۔ اور قَالُوْا وغیرہ۔ ان کے سوا اور قسم کا اختلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ خواہ قراءات متواتر مروجہ ہوں یا غیر مروجہ۔ شاذہ ہوں یا ضعیفہ اور یہ تمام اختلافات علی سبیل البدلیت مروی ہیں۔ یعنی ان میں سے جو وجہ پڑھی جائے وہ ہی کافی ہے اور قرآن ہے اور اُمّت کے ہر فرد پر تمام وجوہ کا پڑھنا واجب و لازم نہیں ہے جس کی بین دلیل فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ ہے نتیجہ یہ ہے کہ متعدد قراءات و روایات و طرق کے اِندراس سے قرآن علی حالہ باقی ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہُوئی۔ البتّہ تنوع اور طریقۂ ترکیب کا بعض حصّہ مندرس ہو گیا۔ فافہم و تدبر۔

باب پنجم۔ کیا ہم منقول روایات و طرق میں خلط کر سکتے ہیں

خلطِ قراءات کے بارہ میں ائمہؒ سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ بعض مطلقاً منع کرتے ہیں، چنانچہ امام ابوالحسنؒ سخاوی جمال القراء میں کہتے ہیں: "بعض قراءات کا بعض سے ملانا خطا ہے"۔ امام ابوزکریاؒ نووی تبیان میں

کہتے ہیں "جب کوئی شخص قراء سبعہ میں سے کسی قاری کی قراءۃ پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ کلام مربوط تک وہ ہی پڑھتا چلا جاوے اس کے بعد دوسری قراءۃ پڑھ سکتا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی قراءۃ پڑھے"۔ علامہ جعبریؒ کہتے ہیں "اگر ایک کلمہ دوسرے سے متعلق ہو تو ترکیب ممنوع ورنہ مکروہ ہے اور بہت سے ائمہؒ نے خلط کو مطلقاً جائز رکھا ہے۔ وہ مانعین کو بر سر غلطی کہتے ہیں اور بعض اعتدال کی جانب گئے ہیں چنانچہ

محققؒ کہتے ہیں۔ "ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر ایک قراءۃ دوسری پر مرتب ہو مثلاً کوئی شخص فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقر) کو اٰدَمَ اور كَلِمٰتٍ دونوں کے رفع یا دونوں کے نصب سے پڑھے یعنی ایک قراءۃ سے اٰدَمُ اور دوسری قراءۃ سے كَلِمٰتٍ کا رفع یا نصب لیوے یا کوئی شخص وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّآءُ کو تشدید و رفع یا تخفیف و نصب سے تلاوت کرے یا وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ کو بصیغہ مجہول و منصوب یا بصیغہ معروف و مرفوع پڑھے۔ چونکہ یہ سب باتیں عربیت اور اُس لغت کے خلاف ہیں۔ جس پر قرآن نازل ہوا ہے لہٰذا ایسی تخلیط بہر صورت حرام ہے۔

" اور اگر ایک قراءۃ دوسری پر مرتب نہ ہو تو مقام روایت میں تخلیط ممنوع ہے کیونکہ اس سے روایت کی تکذیب اور ایک ثقہ امام کی طرف وہ چیز منسوب ہو جاتی ہے جو اُس نے نہیں پڑھی اور اگر تلاوت میں تخلیط ہو جائے تو بلا شبہ جائز صحیح اور مقبول ہے کوئی ممانعت و حرج نہیں کیونکہ ہر وجہ منزّل من اللہ اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کردہ اور قرآن ہے پس جو حرف پڑھا جائے۔ وہ ہی کافی ہے۔ طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض وجوہ کو بعض وجوہ سے ملا کر پڑھنا خطا نہیں۔ یہ خطا ہے کہ قرآن میں وہ چیز ملا کر پڑھی جائے۔ جو قرآن نہیں" اگرچہ ماہرِ طرق و روایات اور عارفِ اختلاف وقراءات کے لیے ہم اس کو بھی بدیں وجہ عیب سمجھتے ہیں کہ اس سے علماء اور عوام مساوی ہو جاتے ہیں، مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ مکروہ یا حرام ہے۔" اس بارہ میں حضرت محققؒ کا بہترین فیصلہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے اور یہی وہ اُصول ہے جس پر صاحب مذاہب ائمہؒ نے قراءات اختیار کیں۔

باب ششم۔ قراءات سبعہ تیسیر و شاطبیہ میں منحصر نہیں ہیں

اکثر آدمیوں کا خیال ہے کہ قراءاتِ سبعہ تیسیر۔ شاطبیہ تبصرہ اور عنوان وغیرہ میں محصور ہیں۔ یہ بھی تخیّل ہے

ان مختصرات میں حضرات ائمہ سے دو دو راوی مذکور ہیں۔ ائمۂ سبعہ نے ۷۵ سال سے ۹۹ سال تک عمر پائی اور ہر ایک نے ساٹھ برس سے زیادہ خدمتِ قرآن میں صرف کیے۔ تذکروں اور طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ان گنت طلباء شریک درس ہوتے تھے۔ امام نافعؒ نماز صبح سے قبل پڑھانا شروع کرتے تھے جو عشاء کے بعد تک جاری رہتا تھا اور ہر شخص کے لیے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا بڑی جدوجہد سے سیدنا ورشؒ کو بعد از تہجد زیادہ وقت ملا تھا۔ امام ابوعمروؒ کے گرد طلباء کا ازدحام دیکھ کر خواجہ حسن بصریؒ نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علماء ارباب بن گئے؟ امام عاصمؒ سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ امام کسائیؒ سے عرضاً و قراءۃً پڑھنا ناممکن ہوگیا تھا بلکہ کثرت طلباء کی بناء پر دُور بیٹھنے والوں کو شکل دیکھنی بھی دُشوار تھی۔ اسی وجہ سے امام ممدوح ممبر پر بیٹھ کر خود پڑھتے تھے اور شائقین آپ کی قراءۃ اخذ کرتے جاتے تھے۔ یہی حال دیگر ائمہ کا تھا۔ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ اُن سے کتنی مخلوق نے پڑھا اور استفاضہ کیا۔ دنیائے اسلام کی کونسی بستی اُن کے خوشہ چینوں اور شاگردوں سے خالی تھی۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کے راوی یہی دو دو ہیں۔

امام ابوحیانؒ کہتے ہیں: "ان مختصرات میں امام ابوعمروؒ کے (جن کی قراۃ شام و مصر میں زیادہ مروج ہے) ایک شاگرد یزیدیؒ اور ان سے دوریؒ و سوسیؒ دو راوی درج ہیں اور اہلِ نقل کے نزدیک ابوعمروؒ کے تلامذہ میں سے یزیدیؒ، شجاعؒ، عبدالوارثؒ ابن سعید، عبّاس بن فضلؒ سعید بن اوسؒ، ہارون الاعورؒ۔ الخفافؒ، عبید بن عُقیلؒ حسین الجعفیؒ، یونس بن حبیب نحویؒ۔ لؤلؤیؒ۔ محبوبؒ، خارجہؒ۔ الجہضمیؒ۔ عصمہؒ۔ اصمعیؒ اور ابوجعفر رواسی۔ سترہ شخص مشہور ہیں۔ پس ابوعمروؒ کی قراءۃ یزیدیؒ پر کیسے منحصر ہوسکتی ہے اور باقی رواۃ کو جو تعداد میں کثیر ثقہ۔ ضابط اور صاحب درایت تھے بلکہ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض یزیدیؒ سے اعلم و اوثق ہوں کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے"۔

پھر یزیدیؒ سے دوریؒ، سوسیؒ، ابوحمدونؒ، محمّد بن احمدؒ بن جبیرؒ، اوقیہ ابوالفتحؒ ابوخلّادؒ۔ جعفر بن حمدان سجادہؒ، ابن سعدانؒ، احمد بن محمد بن یزیدیؒ اور ابوالحارثؒ دس شخص مشہور ہیں۔ لہٰذا دوریؒ و سوسیؒ پر کیسے اقتصار کیا جاسکتا ہے اور باقی جماعت کو کس دلیل سے چھوڑا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دوریؒ و سوسیؒ سے اوثق و اضبط ہوں۔

پھر دوریؒ سے ابن فرحؒ (بالحاء المہملۃ) ابن بشارؒ، ابوالزعراءؒ ابن مسعود السراجؒ۔ الکاغذیؒ ابن برزہؒ، احمد بن حرب المعدّلؒ اور پھر ابن فرحؒ سے زید بن ابی بلالؒ عمر بن عبدالصمدؒ۔ ابوالعباسؒ

بن محریز، ابو محمدؒ قطانؒ اور المطوعیؒ مشہور ہیں اور ہمارے زمانہ تک ہر طبقہ کا یہی حال ہے۔"

" امام نافعؒ کے (جن کی قراءۃ مغرب میں زیادہ مشہور ہے) ان مختصرات میں قالونؒ و ورشؒ دو راوی مذکور ہیں اور اہلِ نقل کے نزدیک قالونؒ، ورشؒ، اسمٰعیل بن جعفر، ابوخلیدؒ ابن جمّازؒ، خارجہؒ اصمعیؒ، کردم اور مسیبیؒ، نو حضرات مشہور ہیں اور باقی ائمہ سبعہ کے تلامذہ کا بھی یہی حال ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ان ائمہ کے علم کو دو دو راویوں میں منحصر سمجھ لیا جائے اور باقی حضرات کی روایت کو معطل کر دیا جائے۔ ان دونوں بزرگوں کو باقی اصحاب پر کیا فوقیت تھی جبکہ وہ سب ایک شیخ کے شاگرد۔ ضابط اور ثقہ تھے۔"

باب ہفتم۔ انکارِ قراءات کا حکم

التحقیق الذی یؤیدہ الدلیل ھو ان القراءات العشر کلھا متواترۃ وھو رای المحققین من الاصولیین والقراء کابن السبکی وابن الجزری والنویری بل ھو رای ابی شامۃ فی نقل آخر صححہ الناقلون عنہ

(ص ۴۳۴/۱ مناہل العرفان)

تحقیقی بات جس کی تائید دلیل سے ہوتی ہے یہ ہے کہ قراءات عشرہ سب کی سب متواتر ہیں اور یہی محقق اصولیوں اور قراء مثلاً ابن سبکی، ابن جزری اور نویری رحمہم اللہ کا قول ہے بلکہ ابو شامہ رحمہ اللہ سے یہ قول بھی منقول ہے اور نقل کرنے والوں نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔

لیکن قراءات کا جو ضابطہ ذکر ہو چکا ہے اس کی رو سے انکا تواتر دو مرحلوں میں ہے۔ ایک تواتر وہ ہے جو صاحب اختیار ائمہ یعنی قراء سبعہ و عشرہ تک پہنچتا ہے اور دوسرا تواتر وہ ہے جو ان قراء عشرہ سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ

علّامہ سیوطی رحمہ اللہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ قراءات کی چھ نوع ہیں:

الاوّل: المتواتر وھو ما رواہ جمع من جمع لا یمکن تواطئھم علی الکذب عن

مثلهم۔ مثاله ما اتفقت الطرق فی نقله عن السبعة و هذا هو الغالب فی القراءات

الثانی المشهور هو ما صح سنده بان رواه العدل الضابط عن مثله وهکذا و وافق العربیة و وافق احد المصاحف العثمانیة سواء أکان عن الائمة السبعة ام العشرة ام غیرهم من الائمة المقبولین واشتهر عنه القراء فلم یعدوه من الغلط ولا من الشذوذ الا انه لم یبلغ درجة المتواتر مثاله ما اختلفت الطرق فی نقله عن السبعة فرواه بعض الرواة عنهم دون بعض و هذان النوعان هما اللذان یقرأ بهما مع وجوب اعتقادهما ولا یجوز انکار شئ منهما۔ (ص ۴۲۳/۱ مناہل العرفان)

پہلی نوع متواتر کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو ایک اتنی بڑی جماعت نے اتنی ہی بڑی جماعت سے نقل کیا ہو کہ جس کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو۔ اس کی مثال قرارت کا وہ حصّہ ہے جس میں تمام طرق متفق ہوں اور قراءات میں اکثر حصّہ ایسا ہی ہے

دوسری نوع مشہور کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو عادل وضابط نے اپنے جیسے سے نقل کیا ہو اور یہ سلسلہ ایسے ہی چلا ہو۔ علاوہ ازیں یہ عربیت کے موافق بھی ہو اور مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق بھی جو خواہ قراء سبعہ سے منقول ہو یا عشرہ سے منقول ہو یا دیگر مقبول ائمہ قراء سے نقل ہو۔ پھر قراء میں اس کی شہرت ہو گئی ہو اور انھوں نے اس کو غلط یا شذوذ میں سے شمار نہ کیا ہو۔ یہ نوع درجہ متواتر کو نہیں پہنچی اس کی مثال قرارت کا وہ حصّہ ہے جس کے نقل میں طرق کا اختلاف ہے۔ یہ دونوں انواع وہ ہیں جن کی قرارت کی جاتی ہے اور جن پہ اعتقاد رکھنا واجب ہے اور ان میں سے کسی شے کا بھی انکار جائز نہیں۔

علّامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کے اس قول سے یہ معلوم ہُوا کہ ائمہ قراءات تک تواتر قرارت کے صرف اتنے حصّے میں ہے۔ جن میں طرق کا اتّفاق ہے اور جو مختلف فیہ حصّہ ہے۔ اس میں شہرت تو پائی جاتی ہے تواتر نہیں پایا جاتا۔

دوسرا مرحلہ

قراءات کے بارے میں جو ضابطہ پہلے ذکر ہوچکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اختیار ائمہ نے اخذ قراءت میں تواتر کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عربیت اور رسم مصحف کی موافقت کے ساتھ صرف صحّتِ سند پہ اکتفا کیا۔ علاوہ ازیں بعض متاخرین نے تواتر کو شرط قرار دیا تو ان کے قول کو رَد کیا گیا اور علّامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے بھی تواتر کے شرط ہونے کے قول سے رجوع کیا۔

امام ابو محمّد مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

ان جمیع ماروی من القراءات علی اقسام۔ قسم یقرأ به الیوم و ذلك ما اجتمع فیه ثلاث خلال وهن ان ینقل عن الثقات عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ویکون وجهه فی العربیة التی نزل بها القرآن سائغا ویکون موافقا لخط المصحف

نقل کردہ تمام قراءات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کی آج کل قراءت کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ ہے جس میں تین باتیں جمع ہوں۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ وہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ثقہ لوگوں کے واسطے سے منقول ہو۔ دوسرے یہ کہ عربیت جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں اس کی کوئی وجہ بنتی ہو اور خط مصحف کے موافق بھی ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ فی نفسہ تواتر پایا گیا ہو، لیکن جب ائمہ نے ضابطہ میں تواتر کا التزام نہیں کیا تو تواتر کا قول کرنا بہر حال ممکن نہیں بلکہ صحّتِ سند پہ ہی اقتصار کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں مرحلوں کو جب جمع کیا جائے تو حاصل یہ ہوگا کہ قراءات کی نقل میں تواتر ضروری مفقود ہے۔ البتّہ بعد کے قرون میں تواتر اور تلقی بالقبول کے پائے جانے کے باعث یہ چونکہ مفید علم ہے اس لیے یہ تواتر تقدیری یا تواتر نظری ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی پیش نظر رہیں۔

۱۔ قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں۔ قرآن تو اُس کا نام ہے جو مصاحف کے اندر ثبت ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل کیا گیا اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا۔ جبکہ قراءات زبان سے اس کی ادائیگی کا نام ہے۔ قرآن ایک ہے اور قراءات متعدد ہیں۔

۲۔ مناہل العرفان میں عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں۔

وتناقش هذا الدليل بانا لا نسلم ان انكار شئ من القراءات يقتضى التكفير على القول بتواترها وانما يحكم بالتكفير على من علم تواترها ثم انكره۔ والشئ قد يكون متواترا عند قوم غير متواتر عند آخرين...

ويمكن مناقشة هذا الدليل ايضًا بان طعن الطاعنين انما هو فيما اختلف فيه وكان من قبيل الاداء۔ اما ما اتفق عليه فليس بموضع طعن ونحن لا نقول الا بتواتر ما اتفق عليه دون ما اختلف فيه

ترجمہ: بعض بڑے علماء نے قراءات پر طعن کیا ہے حالانکہ اگر قراءات متواتر ہوں تو انکا طعن موجب تکفیر ہوگا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مناہل العرفان کے مصنّف لکھتے ہیں کہ تواتر کے قول کو لیتے ہوئے کسی قراءت کا انکار ضروری نہیں کہ موجب تکفیر ہو کیونکہ تکفیر اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی اس کے تواتر کا علم ہوتے ہوئے انکار کرے جبکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کے بارے میں کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت ہو اور کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت نہ ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا طعن مختلف فیہ میں ہو جو ادائیگی کے قبیل سے ہو۔ رہا متفق علیہ تو وہ طعن کا محل نہیں ہے۔ اور ہم تواتر کا قول صرف متفق علیہ میں کرتے ہیں مختلف فیہ میں نہیں کرتے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہ واجب نہیں تھی لہٰذا اصحاب اختیار ائمہ نے بہ پابندیٔ شرائط اپنی اپنی ترتیب سے قراءات اختیار کیں۔ (اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔)

انکار قراءات کا حکم

۱۔ قرآن یا اس کے کسی جزو کا انکار کفر ہے۔ ۲۔ کوئی تمام قراءتوں کا انکار کرے تو یہ کفر ہے کیونکہ قراءتوں میں قرآن ہی ادا کیا جاتا ہے۔ ۳۔ کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایتِ حفص کو مانتا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں۔

الف۔ کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تواتر ثابت نہ ہو اس وجہ سے انکا انکار کرتا ہو۔ اس پر تکفیر نہ ہوگی۔

ب۔ اس کو دیگر قراءتوں کا تواتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو جیسا کہ عام طور سے عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور صرف ان ہی لوگوں کا ان کو علم ہوتا ہے جو ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوں۔ ایسی لاعلمی کی وجہ سے انکار پر بھی تکفیر نہ کی جائے گی، البتہ ایسے شخص کو حقیقت حال سے باخبر کیا جائے گا۔

ج۔ تواتر تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حقیقتاً یہ تواتر ضروری نہیں بلکہ تقدیری و نظری ہے جس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاتی۔ البتہ یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ تواتر بھی مفید علم ہوتا ہے۔